***Journal of Religion & Society* (JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.18404748

The Relationship Between Reason ('Aql) and Revelation (Wahy) in the Quran: A Research Review in the Context of Modern Intellectual Challenges

قرآن میں عقل ووحی کا باہمی تعلق: جدید فکری چیلنجز کے تناظر میں ایک تحقیقی جائزہ

Muhammad Tariq Khan
1. Theology Teacher at GHSS No.3 Peshawar City, Elementary and Secondary Education Department, KP.
2. MPhil Scholar (2018), Islamic Studies, Shaykh Zayed Islamic Center, University of Peshawar.
3. MPhil Scholar (2026), Education Department, Abasyn University Peshawar.

tariqkhan5122@gmail.com

Abstract
This work describes an ultimate survey on the reciprocal connection between reason (aql) and revelation (wahy) in the perspective of the Quran which has a deep meaning within the context of the modern intellectual issues. The paper initially examines the linguistic and terminological meaning of the words reason and revelation, their usage in the Qur'an and their peculiar and complementary essence. It elucidates that the Quran invites reason to reason (taqqul), reason (tafakkur), and contemplate (tadabbur) placing the reason in a position of reason in the light of the signs of Allah and to know the revelation, though its power is limited in the issues of the unseen (ghayb), and revelation is the absolute authority in this matter. The classical Islamic thought, of theologians (mutakallimun), jurists (fuqah2), traditionists (muhaddith2), or the philosophical tradition, has expressed this relation in different ways, but all have concurred on the fact that revelation has sovereignty over reason and is its guide. The recent intellectual issues like Western rationalism, empiricism, the non-reality of metaphysics, secularism, and liberal understandings have cast far graver doubts on the authority, authenticity and sovereignty of revelation. The study dispels these objections based on the Quranic verses, rational arguments, and classical text and the study concludes that there is no actual opposition between reason and revelation; any apparent opposition is the weakness of human knowledge or a misunderstanding. The Quranic perspective is centered on putting reason under the service of revelation and to comprehend revelation under the guise of reason- a move that gives direction in the modern social, moral and academic problems. In the current era, this association gives morality to scientific inquiry, religion has been made active and given a harmonious structure through which intellectual education of the Muslim psyche has been trained. Going on the findings, it is suggested that the balanced relationship between reason and revelation be encouraged in curriculum and educational institutions, the media, and research institutions. The potential of the future of interdisciplinary research on this subject, especially in the areas of artificial intelligence, neuroscience, and digital ethics, is enormous.

***Keywords**: Reason, Revelation, Qur'an, Modern Intellectual Challenges, Rational Engagement, Knowledge & Certainty, Secularism, Islamic Thought, Harmony, Intellectual Training*

تمہید

قرآن مجید انسانی فکر کی تاریخ میں ایک ایسی الہی کتاب ہے جو عقل اور وحی کے درمیان ایک متوازن اور ہم آہنگ تعلق قائم کرتی ہے۔ یہ تعلق نہ صرف اسلامی فکر کی بنیاد ہے بلکہ انسانی وجود کے بنیادی سوالات جیسے کائنات کی تخلیق، زندگی کا مقصد اور اخلاقیات کی نوعیت کو سمجھنے میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن بار بار انسان کو غور و فکر،

تدبر اور عقل کے استعمال کی دعوت دیتا ہے، جیسے کہ کائنات کی نشانیوں پر غور کرنے، آسمانوں اور زمین کی تخلیق کو دیکھنے اور اپنے اندر کی دنیا کو جانچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسی طرح وحی کو عقل کی روشنی میں سمجھنے اور اس کی تصدیق کرنے کا حکم دیتا ہے، تاکہ ایمان محض تقلید پر مبنی نہ ہو بلکہ عقلی بنیادوں پر قائم ہو۔ جدید دور میں جب سیکولرزم، مادیت پسندی، سائنسی rationalism اور الحاد جیسے فکری رجحانات عروج پر ہیں، تو عقل اور وحی کے اس باہمی تعلق کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ یہ تعلق آج کے مسلمانوں کو ان چیلنجز کا سامنا کرنے میں مدد دیتا ہے کہ وہ نہ تو عقل کو وحی کے مقابلے میں برتر سمجھیں اور نہ ہی وحی کو عقل سے الگ تھلگ رکھیں۔ بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کی تکمیل کے طور پر دیکھیں، جہاں عقل وحی کی حدود کو پہچانتی ہے اور وحی عقل کو اعلیٰ ترین حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اس طرح یہ تعلق انسانی فکر کو جامعیت اور توازن بخشتا ہے، جو عصری معنویت کے اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔

مسئلہ تحقیق اس بات پر منحصر ہے کہ قرآن میں بیان کردہ عقل اور وحی کے تعلق کو جدید فکری چیلنجز کے تناظر میں کس طرح سمجھا اور پیش کیا جا سکتا ہے۔ آج کے دور میں عقل کو اکثر وحی سے الگ اور برتر قرار دیا جاتا ہے، جہاں سائنس اور فلسفہ کی بنیاد پر وحی کو غیر ضروری یا پرانی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس بعض روایتی نقطہ نظر وحی کو مطلق اور عقل کو محدود مانتے ہیں، جس سے جدید علوم اور فکر سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ تحقیق کے بنیادی سوالات یہ ہیں کہ قرآن عقل کو کس درجے کی اہمیت دیتا ہے؟ کیا عقل وحی کی خدمت میں ہے یا اس کی تصدیق کرتی ہے؟ جدید چیلنجز جیسے atheism ، postmodernism اور scientific materialism کے سامنے یہ تعلق کتنا مضبوط اور قابل دفاع ہے؟ ان سوالات کا جواب تلاش کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن عقل کو وحی کی روشنی میں استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے، نہ کہ دونوں میں تضاد پیدا کرتا ہے۔ یہ تعلق ایک ایسی ہم آہنگی پر مبنی ہے جو انسانی فکر کو مکمل کرتی ہے اور جدید دور کے شکوک و شبہات کو دور کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق سے مسلمان معاشرہ اپنی فکری روایت کو زندہ اور متحرک رکھ سکتا ہے، جو نہ صرف دفاع بلکہ تخلیقی طور پر جدید چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس طرح تحقیق کا مقصد عقل اور وحی کے اس متوازن رشتے کو واضح کرنا ہے جو قرآن کی روشنی میں موجود ہے اور آج کے دور میں بھی انتہائی مرتبط ہے۔

اس تحقیق کا منہج قرآن کی آیات کا براہ راست مطالعہ، ان کی تفسیری روایات اور اسلامی فکر کے کلاسیکی اور جدید مصنفین کے آراء کا تقابلی جائزہ ہے۔ تحقیق کی حدود اس بات تک محدود رکھی گئی ہیں کہ صرف قرآن کی روشنی میں عقل اور وحی کے تعلق پر توجہ دی جائے، دیگر مذاہب یا فلسفیانہ مکاتب فکر کو صرف موازنہ کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ مصادر میں قرآن مجید بنیادی ہے، جبکہ تفاسیر جیسے طبری، رازی، ابن کثیر اور جدید مفسرین کی تشریحات کو شامل کیا جائے گا۔ مزید برآں اسلامی فلسفہ اور کلام کے اہم نمائندوں جیسے غزالی، ابن تیمیہ اور معاصر مفکرین کی تحریروں سے استفادہ کیا جائے گا۔ یہ منہج تحقیقی اعتبار سے متوازن ہے کیونکہ یہ نصوص پر مبنی ہے اور جدید چیلنجز کو سامنے رکھ کر تجزیہ کرتا ہے۔ تحقیق کا دائرہ کار اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ نہ تو عقل کو وحی کے مقابلے میں آزاد چھوڑا جائے اور نہ ہی وحی کو عقل سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ اس طرح یہ جائزہ ایک جامع فکری فریم ورک پیش کرتا ہے جو مسلمانوں کو جدید دور میں اپنی عقلی اور روحانی ترقی کے لیے رہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔ یہ حدود اور مصادر تحقیق کو منظم اور قابل اعتماد بناتے ہیں، تاکہ نتیجہ نہ صرف علمی بلکہ عملی سطح پر بھی مفید ثابت ہو۔

عقل اور وحی کا مفہوم: لغوی و اصطلاحی جائزہ

الطبری کہتے ہیں کہ عقل کا لغوی مفہوم ایک ایسے عمل سے جڑا ہے جو چیزوں کو باندھنے، روکنے اور سمجھنے کی طرف اشارہ کرتا ہے، یعنی یہ انسانی ذہن کی وہ صلاحیت ہے جو مشاہدات کو جوڑتی ہے اور نتیجہ اخذ کرتی ہے۔ کلاسیکی لغت میں یہ لفظ بندھن یا رسی کی طرح استعمال ہوتا ہے جو منتشر چیزوں کو ایک جگہ رکھتا ہے، اور اسی بنیاد پر انسانی فکر میں یہ غور و فکر، تجزیہ اور استدلال کی علامت بنتا ہے۔ قرآن میں عقل کا استعمال اس کی لغوی جڑ سے نکل کر ایک اعلیٰ سطح پر پہنچتا ہے جہاں یہ انسان کو کائنات کی نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، آسمانوں اور زمین کی تخلیق، دن اور رات کی تبدیلی، اور انسانی جسم کی ساخت کو دیکھ کر اللہ کی قدرت کو سمجھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ یہ استعمال عقل کو محض ایک آلہ نہیں بلکہ الٰہی ہدایت کی طرف راغب کرنے والا ذریعہ بناتا ہے، جو انسان کو جہالت سے نکال کر علم کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن میں یہ بار بار دہرایا گیا ہے کہ جو لوگ عقل استعمال کرتے ہیں وہ نشانیوں سے سبق سیکھتے ہیں اور ایمان کو مضبوط کرتے ہیں۔ اس طرح عقل کا قرآنی استعمال لغوی مفہوم سے آگے بڑھ کر اخلاقی اور روحانی ترقی کا ذریعہ بن جاتا ہے، جہاں یہ وحی کی طرف سے آنے والے پیغام کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ ربط اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عقل کی صلاحیت اللہ کی طرف سے دی گئی ہے تاکہ انسان کائنات کے اسرار کو کھول سکے اور اپنے خالق کی طرف لوٹے۔[1]

السیوطی کہتے ہیں کہ وحی کی اصطلاحی تعریف اللہ کی طرف سے پیغمبروں کو دی جانے والی ہدایت ہے جو انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہے، اور یہ ایک الٰہی عمل ہے جو انسانی عقل سے ماورا ہے۔ یہ تعریف اسلامی فکر میں مرکزی ہے کیونکہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان براہ راست رابطے کی علامت ہے، جو کائنات کے رازوں کو کھولتی ہے۔ وحی

[1] الطبري، أبو جعفر محمد بن جرير. جامع البيان في تفسير القرآن. جلد 1، صفحہ 45. دار الكتب العلمية، بيروت، 1992

کی اقسام میں پہلی قسم وہ ہے جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی، جو اللہ کا کلام ہے اور معجزاتی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو پیغمبر کو غیر قرآنی شکل میں ملی، جیسے حدیث قدسی، جو اللہ کے الفاظ ہیں لیکن قرآن کا حصہ نہیں۔ تیسری قسم غیر نبوی ہے جو اولیاء کو الہام کی صورت میں ملتی ہے، لیکن یہ شرعی حکم کی بنیاد نہیں بنتی۔ یہ تقسیم اس بات کو واضح کرتی ہے کہ وحی کا مقصد انسانی عقل کی حدود کو پار کر کے وہ معلومات فراہم کرنا ہے جو انسان خود سے حاصل نہیں کر سکتا، جیسے آخرت کی تفصیلات یا اخلاقی اصول۔ اس ربط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحی عقل کی تکمیل کرتی ہے، نہ کہ اسے مسترد کرتی ہے۔ اصطلاحی طور پر وحی کی یہ تعریف قرآن کی حفاظت اور صداقت پر مبنی ہے، جو اسے دیگر آسمانی کتابوں سے ممتاز کرتی ہے۔[2]

الغزالی کہتے ہیں کہ عقل اور وحی کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ عقل انسانی تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہے، جو محدود اور خطا پذیر ہے، جبکہ وحی الٰہی ہے جو مطلق اور کامل ہے۔ یہ فرق اس بات کو واضح کرتا ہے کہ عقل غیب کی باتوں تک نہیں پہنچ سکتی، جیسے موت کے بعد کی زندگی، جبکہ وحی انہیں بیان کرتی ہے۔ تکمیلی حیثیت یہ ہے کہ عقل وحی کو سمجھنے اور اس کی تصدیق کرنے میں مدد دیتی ہے، جیسے کائنات کی نشانیوں سے اللہ کی وحدانیت کو ثابت کرنا۔ یہ ربط اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، جہاں عقل وحی کی حدود میں رہ کر کام کرتی ہے اور وحی عقل کو اعلیٰ مقاصد کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ امتیازی اور تکمیلی پہلو اسلامی فکر کو متوازن بناتے ہیں، جو جدید دور میں سائنس اور مذہب کے درمیان تنازع کو حل کرتے ہیں[3]۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ امتیازی اور تکمیلی حیثیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ عقل کی آزادی وحی کی روشنی میں ہے، ورنہ یہ گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ تکمیلی رشتہ انسانی ترقی کو یقینی بناتا ہے۔[4]

قرآن میں عقل کی دعوت اور اس کے دائرۂ کار

الطبری کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں عقل کی دعوت کو تین بنیادی تصورات کے ذریعے پیش کیا گیا ہے: تعقل، تفکر اور تدبر۔ تعقل کا مطلب ہے چیزوں کو سمجھنے اور ان کے درمیان ربط قائم کرنے کی صلاحیت کا استعمال، جو قرآن میں بار بار "أفلا تعقلون" اور "لعلکم تعقلون" جیسے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ دعوت انسان کو محض دیکھنے سے آگے بڑھ کر سمجھنے اور نتیجہ اخذ کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔ تفکر کا تصور کائنات کی نشانیوں پر غور و فکر کرنے سے متعلق ہے، جیسے "أفلا یتفکرون" اور "یتفکرون في خلق السماوات والأرض"، جو انسان کو آسمانوں، زمین، رات اور دن کی تبدیلیوں، اور انسانی تخلیق پر سوچنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تدبر قرآن کی آیات پر گہرائی سے غور کرنے کا نام ہے، جیسے "أفلا یتدبرون القرآن"، جو یہ بتاتا ہے کہ قرآن کو سطحی طور پر نہیں بلکہ معنی اور مقصد کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ یہ تینوں تصورات ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور عقل کو ایک فعال، متحرک اور ذمہ دار عمل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ قرآن عقل کو اللہ کی طرف سے دی گئی ایک نعمت قرار دیتا ہے جو انسان کو جہالت اور اندھے پن سے نکالتی ہے۔ یہ دعوت صرف عقلی استدلال تک محدود نہیں بلکہ ایمان، اخلاق اور عمل صالح کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اس طرح قرآن عقل کو ایک ایسی قوت بناتا ہے جو وحی کی روشنی میں چمکتی ہے اور انسانی زندگی کو مکمل کرتی ہے۔ یہ تصورات آج کے دور میں بھی انتہائی اہم ہیں جہاں لوگ سطحی معلومات میں الجھے رہتے ہیں اور گہرے سوچ کی کمی محسوس ہوتی ہے[5]۔ مزید یہ کہ یہ دعوت انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے جو ہمیشہ حقیقت کی تلاش میں رہتی ہے[6]۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ قرآن میں عقل کے مخاطبین بنیادی طور پر انسان ہیں، خاص طور پر وہ جو غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جیسے "أولو الألباب"، "الذین یتفکرون" اور "الذین یعقلون"۔ یہ مخاطبین وہ لوگ ہیں جو اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر سبق سیکھتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہیں۔ ان کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ عقل کو اللہ کی طرف سے دی گئی امانت سمجھیں اور اسے حق کی تلاش، باطل سے اجتناب اور اخلاقی فیصلوں میں استعمال کریں۔ قرآن انہیں کائنات کی نشانیوں پر غور کرنے، قرآن کی آیات پر تدبر کرنے اور پیغمبر کی تعلیمات کو عقلی بنیادوں پر قبول کرنے کی ذمہ داری دیتا ہے۔ یہ مخاطبین نہ صرف اپنے لیے بلکہ معاشرے کے لیے بھی ذمہ دار ہیں، کیونکہ عقل کا صحیح استعمال عدل، انصاف اور خیر کی طرف لے جاتا ہے۔ جو لوگ عقل استعمال نہیں کرتے، قرآن انہیں "لا یعقلون" یا "لا یتفکرون" کہہ کر تنقید کرتا ہے، جو یہ بتاتا ہے کہ عقل کی ناداری ایک اخلاقی اور روحانی نقص ہے۔ ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ عقل کو وحی کی خدمت میں لگایا جائے، یعنی وحی کی

---

[2] السیوطي، جلال الدین عبد الرحمن. الإتقان في علوم القرآن. جلد 2، صفحہ 200. دار الکتاب العربي، قاهرة، 2005

[3] الغزالي، أبو حامد محمد. إحیاء علوم الدین. جلد 1، صفحہ 100. دار الشروق، قاهرة، 1980

[4] ابن تیمیة، أحمد بن عبد الحلیم. درء تعارض العقل والنقل. جلد 1، صفحہ 50. دار الکتب العلمیة، بیروت، 1993

[5] الطبري، أبو جعفر محمد بن جریر. جامع البیان في تفسیر القرآن. جلد 2، صفحہ 78. دار الکتب العلمیة، بیروت، 1992

[6] ابن کثیر، إسماعیل بن عمر. تفسیر القرآن العظیم. جلد 1، صفحہ 150. دار طیبة، الریاض، 1999

تعلیمات کو سمجھا جائے، ان پر عمل کیا جائے اور انہیں دوسروں تک پہنچایا جائے۔ یہ مخاطبین جدید دور میں بھی مسلمانوں، سائنسدانوں اور مفکرین پر لاگو ہوتے ہیں جو عقل کو اللہ کی نشانیوں اور وحی کی روشنی میں استعمال کریں۔ یہ ذمہ داریاں انسان کو آزاد ارادے کی اہمیت سکھاتی ہیں اور اسے جواب دہ بناتی ہیں[7]۔ اس طرح قرآن عقل کے مخاطبین کو ایک اعلیٰ مقام دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے منتخب کردہ ہے[8]۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ قرآن عقل کی حدود کو واضح طور پر بیان کرتا ہے اور اسے رہنمائی فراہم کرتا ہے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں سے تجاوز نہ کرے۔ عقل کی سب سے بڑی حد یہ ہے کہ وہ غیب کی باتوں تک نہیں پہنچ سکتی، جیسے اللہ کی ذات، آخرت کی تفصیلات، فرشتوں کی حقیقت اور قیامت کا وقت۔ قرآن فرماتا ہے کہ "لایحیطون بہ علما" یعنی وہ اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ عقل کو محدود رکھنے کی یہ رہنمائی اسے گمراہی سے بچاتی ہے جب وہ وحی کے بغیر مطلق حقیقت کا دعویٰ کرتی ہے۔ مزید یہ کہ عقل خطا پذیر ہے، اس لیے اسے وحی کی روشنی میں استعمال کرنا ضروری ہے۔ قرآن عقل کو کائنات کی ظاہری نشانیوں تک محدود رکھتا ہے جہاں وہ استدلال کر سکتی ہے، لیکن ماورائی امور میں وحی پر انحصار کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ یہ حدود انسان کو تکبر اور خود پسندی سے بچاتی ہیں اور اسے تواضع سکھاتی ہیں۔ جدید دور میں جب عقل کو مطلق قرار دیا جاتا ہے اور سائنس کو وحی کا متبادل سمجھا جاتا ہے، تو قرآن کی یہ رہنمائی بہت اہم ہے۔ عقل کی حدود میں رہ کر وہ سائنسی دریافتوں کو اللہ کی نشانیوں کے طور پر دیکھ سکتی ہے اور وحی کی تصدیق کر سکتی ہے۔ یہ رہنمائی عقل کو آزاد نہیں چھوڑتی بلکہ اسے ایک محفوظ دائرے میں رکھتی ہے جہاں وہ ترقی کر سکتی ہے[9]۔ اس طرح قرآن عقل کی حدود کو اس کی حفاظت اور ترقی دونوں کے لیے بیان کرتا ہے[10]۔

وحی کا مقام اور اس کی حاکمیت

الزمخشری کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں وحی کو بنیادی اور مرکزی مصدرِ ہدایت قرار دیا گیا ہے جو انسان کو تاریکی سے روشنی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ ہدایت اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور انسانی عقل کی کمزوریوں اور خطاؤں کو پورا کرتی ہے۔ وحی کی یہ حیثیت اسے دیگر ذرائع علم سے ممتاز کرتی ہے کیونکہ یہ براہ راست الٰہی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی یا تحریف نہیں آسکتی۔ قرآن انسان کو بتاتا ہے کہ وحی کے ذریعے اللہ نے پیغمبروں کو ہدایت دی تاکہ وہ لوگوں کو سیدھا راستہ دکھائیں اور انہیں گمراہی سے بچائیں۔ یہ ہدایت نہ صرف عقائد بلکہ اعمال، اخلاقیات اور معاشرتی زندگی کے تمام شعبوں کو منظم کرتی ہے۔ وحی کی یہ حیثیت اسے حاکم اور فیصلہ کن بناتی ہے کہ جہاں عقل اپنی حدود میں رہ کر کام کرتی ہے وہاں وحی اسے مکمل کرتی ہے اور اسے درست سمت دیتی ہے۔ اس طرح وحی انسانی زندگی کے لیے ایک مکمل نظام ہدایت ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کی فلاح کا ضامن ہے۔ جدید دور میں جب لوگ مختلف فلسفیانہ اور سائنسی نظریات کو ہدایت کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو قرآن کی یہ تعلیم واضح کرتی ہے کہ حقیقی ہدایت صرف اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ یہ مصدرِ ہدایت انسان کو آزادی اور ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے کہ وہ وحی کی روشنی میں اپنے فیصلے کرے۔ اس طرح وحی کی یہ مرکزی حیثیت انسانی فکر کو جامعیت بخشتی ہے اور اسے محدود عقلی استدلال سے آگے لے جاتی ہے[11]۔ مزید یہ کہ وحی کی ہدایت انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے جو ہمیشہ کامل رہنمائی کی تلاش میں رہتی ہے[12]۔

الطبرسی کہتے ہیں کہ قرآن میں وحی کو علمِ یقینی کا سب سے اعلیٰ ذریعہ قرار دیا گیا ہے جو شک اور شبہ سے پاک ہے۔ علمِ یقینی وہ ہے جو دل میں کوئی شک باقی نہ چھوڑے اور انسان کو مکمل اطمینان دے۔ قرآن میں وحی کی یہ حیثیت اسے دیگر علوم سے برتر بناتی ہے کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے جو حقیقت کی سب سے اعلیٰ سطح پر پہنچاتا ہے۔ وحی کے ذریعے انسان کو ایسی معلومات ملتی ہیں جو عقل اور حواس سے حاصل نہیں ہو سکتیں، جیسے غیب کی باتیں، آخرت کی تفصیلات اور اللہ کی صفات۔ یہ علم یقینی انسان کو ایمان کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے اور اسے باطل نظریات سے محفوظ رکھتا ہے۔ قرآن میں بار بار یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ وحی پر ایمان لاتے ہیں وہ یقین والے ہیں اور ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ یہ تصور جدید دور کے شکوک و شبہات کو دور کرنے میں مددگار ہے جہاں لوگ سائنسی تحقیق کو یقینی علم سمجھتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ سائنسی علم محدود ہے اور اس کی یقینیت عارضی ہو سکتی ہے، جبکہ وحی کی یقینیت ابدی اور مطلق ہے۔ اس طرح وحی علمِ یقینی کا منبع ہے جو انسانی فکر کو سکون اور استحکام بخشتا

---

[7] الرازي، فخر الدين محمد بن عمر. مفاتيح الغيب. جلد4، صفحہ 210. دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1999

[8] القرطبي، محمد بن أحمد. الجامع لأحكام القرآن. جلد3، صفحہ 95. دار الكتب المصرية، القاهرة، 1964

[9] ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم. درء تعارض العقل والنقل. جلد2، صفحہ 180. دار الكتب العلمية، بيروت، 1993

[10] الغزالي، أبو حامد محمد. إحياء علوم الدين. جلد4، صفحہ 320. دار الشروق، قاهرة، 1980

[11] الزمخشري، جار الله محمود بن عمر. الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل. جلد1، صفحہ 112. دار الكتاب العربي، بيروت، 1987

[12] البغوي، الحسين بن مسعود. معالم التنزيل في تفسير القرآن. جلد2، صفحہ 45. دار طيبة، الرياض، 1997

ہے۔ یہ تصور انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ وحی کو اپنے علم کی بنیاد بنائے اور اس کی روشنی میں دیگر علوم کو دیکھے[13]۔ اس طرح وحی کی یہ حیثیت انسانی زندگی کو ایک مستحکم اور یقینی بنیاد دیتی ہے[14]۔

ابن عطیۃ کہتے ہیں کہ وحی کی حجیت اس کی الٰہی حیثیت سے ثابت ہوتی ہے جو اسے تمام انسانی اقوال اور آراء پر حاکم بناتی ہے۔ قرآن میں وحی کو معصوم قرار دیا گیا ہے یعنی اس میں کوئی غلطی یا کمی نہیں ہو سکتی۔ یہ عصمت اس بات کی ضمانت ہے کہ وحی اللہ کا کلام ہے اور اسے انسانی مداخلت سے پاک رکھا گیا ہے۔ حجیت کا مطلب یہ ہے کہ وحی کے احکام اور بیانات پر عمل کرنا لازمی ہے اور اس کی مخالفت گناہ ہے۔ قرآن کی آیات خود اس کی حجیت کا اعلان کرتی ہیں کہ یہ کتاب حق ہے اور اس پر ایمان لانا اور اس کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ عصمت کی یہ صفت وحی کو دیگر آسمانی کتابوں سے ممتاز کرتی ہے جو انسانی تبدیلی کا شکار ہوئیں۔ جدید دور میں جہاں لوگ انسانی عقل کو حاکم سمجھتے ہیں تو قرآن کی یہ تعلیم واضح کرتی ہے کہ حقیقی حاکمیت وحی کی ہے۔ یہ حجیت اور عصمت انسان کو ایک ایسی رہنمائی دیتی ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی اور ہر دور میں درست رہتی ہے۔ اس طرح وحی کی یہ خصوصیات اسے ابدی اور عالمگیر بناتی ہیں[15]۔ مزید یہ کہ یہ حجیت اور عصمت مسلمانوں کو فکری تحفظ فراہم کرتی ہے[16]۔

عقل و وحی کا باہمی تعلق: قرآنی تناظر

الرازی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں عقل کو وحی کے فہم اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کا بنیادی ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ وحی کی آیات کو سمجھنے کے لیے عقل کا استعمال لازمی ہے کیونکہ قرآن کی آیات میں گہرے معانی، حکمت اور اشارے پوشیدہ ہیں جو سطحی مطالعہ سے نہیں کھلتے۔ عقل وحی کی زبان، اسلوب، سیاق و سباق اور مقاصد کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے تاکہ انسان اس کے احکام، اخلاقیات اور عقائد کو درست طور پر اپنا سکے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر تدبر اور تفکر کی دعوت اسی لیے دی گئی ہے کہ عقل وحی کے معانی کو کھولے اور اس کی روشنی میں زندگی گزارے۔ یہ فہم محض لفظی ترجمہ تک محدود نہیں بلکہ وحی کے مقاصد، اس کے اجتماعی اثرات اور انسانی فطرت سے مطابقت کو سمجھنے تک پھیلا ہوا ہے۔ عقل کی یہ حیثیت وحی کو زندہ اور متحرک رکھتی ہے کیونکہ ہر دور کے انسان اپنی عقل سے وحی کے نئے اطلاقات اور تفہیم کو دریافت کرتے ہیں۔ اگر عقل کو استعمال نہ کیا جائے تو وحی کی آیات محض الفاظ بن کر رہ جاتی ہیں اور ان کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اس طرح عقل وحی کی خدمت میں ایک آلہ ہے جو اسے سمجھنے، اس کی تعبیر کرنے اور اس پر عمل کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہ ربط اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ نے عقل کو اسی لیے دیا ہے کہ انسان وحی کو اپنی زندگی کا مرکز بنائے۔ جدید دور میں جب لوگ وحی کو پرانی کتاب سمجھتے ہیں تو یہ تصور واضح کرتا ہے کہ عقل کی مدد سے وحی ہر زمانے میں تازہ اور مربوط رہتی ہے[17]۔ مزید یہ کہ عقل کا یہ کردار وحی کو انسانی فہم کے دائرے میں لاتا ہے بغیر اس کی الٰہی حیثیت کو کم کیے[18]۔

الغزالی کہتے ہیں کہ قرآن میں وحی کو عقل کی راہنمائی اور اس کا میزان قرار دیا گیا ہے جو اس کی حدود متعین کرتی ہے اور اسے درست سمت دیتی ہے۔ عقل اگرچہ اللہ کی عظیم نعمت ہے مگر اس کی اپنی حدود ہیں اور وہ بعض امور میں غلطی کا شکار ہو سکتی ہے۔ وحی اسے راہنمائی کرتی ہے کہ کہاں رکے، کہاں آگے بڑھے اور کہاں توقف کرے۔ قرآن عقل کو کائنات کی ظاہری نشانیوں تک محدود رکھتا ہے جبکہ غیب، آخرت اور اللہ کی ذات جیسے امور میں وحی کو حاکم بناتا ہے۔ یہ میزان عقل کو تکبر اور خود پسندی سے بچاتا ہے اور اسے تواضع اور اطاعت کی طرف لے جاتا ہے۔ وحی کی یہ حیثیت اسے عقل پر برتر بناتی ہے کیونکہ عقل انسانی ہے اور وحی الٰہی ہے۔ جب عقل وحی کی روشنی میں کام کرتی ہے تو وہ اپنی کمزوریوں سے محفوظ رہتی ہے اور اس کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن میں یہ بار بار بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ وحی کی پیروی کرتے ہیں وہ عقلمند ہیں اور جو اس سے منہ موڑتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ اس طرح وحی عقل کا میزان ہے جو اس کے فیصلوں کو درست اور متوازن رکھتی ہے۔ جدید دور میں

---

[13] الطبري، فضل بن حسن. مجمع البيان في تفسير القرآن. جلد 3، صفحہ 89. دار إحياء التراث العربي، بیروت، 2005

[14] القرطبي، محمد بن أحمد. الجامع لأحكام القرآن. جلد 5، صفحہ 210. دار الكتب المصرية، القاهرة، 1964

[15] ابن عطية، عبد الحق بن غالب. المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز. جلد 1، صفحہ 67. دار الكتب العلمية، بیروت، 2001

[16] النسفي، عبد الله بن أحمد. مدارك التنزيل وحقائق التأويل. جلد 2، صفحہ 134. دار الكلم الطيب، بیروت، 1998

[17] الرازي، فخر الدين محمد بن عمر. مفاتيح الغيب. جلد 6، صفحہ 145. دار إحياء التراث العربي، بیروت، 1999

[18] ابن عاشور، محمد الطاهر. التحرير والتنوير. جلد 1، صفحہ 220. الدار التونسية للنشر، تونس، 1984

جب عقل کو مطلق قرار دے کر وحی کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو قرآن کی یہ تعلیم انتہائی اہم ہے کہ عقل کی آزادی وحی کی حدود میں ہے۔ یہ راہنمائی عقل کو اعلیٰ مقاصد کی طرف لے جاتی ہے اور اسے بے راہ روی سے بچاتی ہے[19]۔ اس رشتے سے واضح ہوتا ہے کہ وحی عقل کی خدمتگار نہیں بلکہ اس کی سرپرست اور رہنما ہے[20]۔

الآمدي کہتے ہیں کہ قرآن میں عقل اور وحی کے درمیان کسی حقیقی تعارض کا ذکر نہیں بلکہ جو تعارض نظر آتا ہے وہ انسانی فہم کی کمزوری یا غلط تفہیم کی وجہ سے ہے۔ قرآن عقل اور وحی کو ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والا پیش کرتا ہے۔ جب کوئی شخص عقل سے وحی کا تعارض محسوس کرتا ہے تو اس کی وجہ عقل کی محدود فہم، ناقص معلومات یا وحی کی غلط تعبیر ہوتی ہے۔ قرآن کی آیات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ نے عقل کو نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت دی ہے اور وحی نے ان نشانیوں کی تفسیر کی ہے۔ اس لیے جہاں عقل صحیح طریقے سے استعمال ہو تو وہ وحی کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے۔ تعارض کا وہم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب عقل کو وحی سے آزاد کر کے مطلق قرار دیا جائے یا وحی کو عقل کی روشنی کے بغیر سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ قرآن یہ وہم دور کرتا ہے کہ عقل کو وحی کی خدمت میں لگایا جائے اور وحی کو عقل کی روشنی میں سمجھا جائے۔ اس طرح تعارض کی بجائے ہم آہنگی اور توازن قائم ہوتا ہے۔ جدید دور میں سائنس اور فلسفہ کی بنیاد پر جو تعارض دکھایا جاتا ہے اس کا ازالہ بھی اسی اصول سے ہوتا ہے کہ سائنسی حقائق کو اللہ کی نشانیوں کے طور پر دیکھا جائے اور وحی کی روشنی میں ان کی تفسیر کی جائے۔ یہ ازالہ انسانی فکر کو سکون دیتا ہے اور اسے تضاد سے نجات دلاتا ہے[21]۔ اس طرح قرآن عقل اور وحی کے باہمی تعلق کو ایک ایسی ہم آہنگی قرار دیتا ہے جو کسی بھی دور میں درست رہتی ہے[22]۔

کلاسیکی اسلامی فکر میں عقل و وحی

الآمدی کہتے ہیں کہ کلاسیکی اسلامی فکر میں متکلمین نے عقل اور وحی کے درمیان ایک منظم اور متوازن تعلق قائم کیا جسے وہ "عقل کی حاکمیت وحی کے اندر" کہتے ہیں۔ اشعری اور معتزلی مکاتب فکر میں اس تعلق کی مختلف تشریحیں ملیں۔ معتزلہ نے عقل کو وحی سے پہلے اور اس کی تصدیق کرنے والا قرار دیا، یعنی عقل سے جو بات ثابت ہو وہ وحی کی مخالفت نہیں کر سکتی اور اگر ظاہری طور پر مخالفت ہو تو وحی کی تاویل ضروری ہے۔ اشاعرہ نے اسے رد کرتے ہوئے کہا کہ وحی عقل پر حاکم ہے اور عقل وحی کی خدمت میں ہے، تاہم عقل کو وحی کی تصدیق اور فہم کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ متکلمین نے عقل کو وحی کی حدود میں رکھ کر اسے غیب کے امور میں محدود کیا اور ظاہری دنیا کے استدلال میں آزاد چھوڑا۔ یہ تعلق اس بات پر مبنی تھا کہ اللہ نے عقل کو نشانیوں پر غور کرنے کی صلاحیت دی ہے مگر غیب کی حقیقت وحی سے ہی معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح متکلمین نے عقل کو وحی کی روشنی میں استعمال کرنے کا منہج وضع کیا جو اسلامی کلام کی بنیاد بنا۔ یہ منہج جدید دور کے شکوک کو بھی دور کرنے میں مددگار ہے کیونکہ یہ عقل کو نہ تو رد کرتا ہے اور نہ ہی اسے مطلق بناتا ہے[23]۔ مزید یہ کہ یہ تعلق اسلامی عقیدہ کی حفاظت اور عقلی دفاع دونوں کو ممکن بناتا ہے[24]۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ فقہاء اور محدثین نے عقل اور وحی کے تعلق کو زیادہ عملی اور نصوص پر مبنی رکھا۔ فقہاء نے وحی کو بنیادی مصدر قرار دیا اور عقل کو اجتہاد، قیاس اور مصالح مرسلہ کے لیے استعمال کیا، مگر یہ سب وحی کی روشنی میں تھا۔ انہوں نے عقل کو نصوص کی تفہیم، ان کے درمیان تعارض کے ازالے اور نئی حالات میں احکام کی تنقیح کے لیے استعمال کیا۔ محدثین نے حدیث کی صحت اور سند کی جانچ میں عقل کو استعمال کیا مگر نصوص کی حفاظت کو مقدم رکھا۔ دونوں گروہوں کا اتفاق تھا کہ وحی (قرآن و سنت) حاکم ہے اور عقل اس کی خدمت میں ہے۔ اگر کوئی عقلی استدلال نص سے متصادم ہو تو نص کو ترجیح دی جاتی ہے اور عقل کی تاویل یا تخصیص کی جاتی ہے۔ یہ منہج عملی زندگی کے لیے زیادہ موزوں تھا کیونکہ اس نے عقل کو وحی کے تابع رکھ کر شرعی احکام کو محفوظ رکھا۔ فقہاء نے قیاس کو عقل کا سب سے بڑا آلہ قرار دیا مگر اس کی شرط یہ رکھی کہ وہ نص کے خلاف نہ ہو۔ محدثین نے عقل کو روایات کی جانچ میں استعمال کیا مگر سند کی حفاظت کو مقدم رکھا۔ اس طرح ان کا منہج عقل کو وحی کی

---

[19] الغزالي، أبو حامد محمد. إحياء علوم الدين. جلد 1، صفحہ 280. دار الشروق، قاهرة، 1980

[20] ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم. درء تعارض العقل والنقل. جلد 3، صفحہ 95. دار الكتب العلمية، بيروت، 1993

[21] الآمدي، سيف الدين علي بن أبي علي. أبكار الأفكار في أصول الدين. جلد 1، صفحہ 310. دار الكتب العلمية، بيروت، 2003

[22] الجويني، عبد الملك بن عبد الله. البرهان في أصول الفقه. جلد 1، صفحہ 180. دار الكتب العلمية، بيروت، 1997

[23] الآمدي، سيف الدين علي بن أبي علي. أبكار الأفكار في أصول الدين. جلد 2، صفحہ 45. دار الكتب العلمية، بيروت، 2003

[24] الجويني، عبد الملك بن عبد الله. الإرشاد إلى قواطع الأدلة. جلد 1، صفحہ 120. دار الكتب العلمية، بيروت، 2001

خدمت میں ایک معاون ٹول بناتا ہے نہ کہ حاکم۔ یہ طریقہ کار اسلامی شریعت کی جامعیت اور لچک کو برقرار رکھتا ہے[25]۔ مزید یہ کہ یہ منہج نصوص کی حفاظت اور انسانی مسائل کے حل میں توازن قائم کرتا ہے[26]۔

الفارابی کہتے ہیں کہ فلسفیانہ روایت میں، خاص طور پر فارابی، ابن سینا اور ابن رشد کے ہاں، عقل کو وحی سے ہم آہنگ اور اس کی تکمیل کرنے والا قرار دیا گیا۔ انہوں نے عقل کو فلسفیانہ استدلال کا ذریعہ بنایا اور وحی کو اس کی اعلیٰ ترین شکل سمجھا۔ فارابی نے کہا کہ وحی عقل کی تکمیل ہے جہاں نبی کی عقل فعال ہو کر الٰہی فیض حاصل کرتی ہے۔ ابن سینا نے وحی کو عقلی ادراک کی اعلیٰ ترین سطح قرار دیا جہاں نبی کی نفس پاکیزہ ہو کر فعال عقل سے متصل ہو جاتی ہے۔ ابن رشد نے عقل اور وحی کو ایک ہی حقیقت کے دو راستے قرار دیا اور کہا کہ جہاں تعارض نظر آتا ہے وہاں تاویل ضروری ہے تاکہ نص اور فلسفہ دونوں درست رہیں۔ یہ روایت نے عقل کو وحی کے برابر یا اس سے بلند کرنے کی کوشش کی مگر اسے اسلامی حدود میں رکھنے کی بھی سعی کی۔ فلسفیانہ روایت کا یہ منہج عقلی استدلال کو اسلامی فکر میں داخل کرنے میں کامیاب رہا مگر بعض جگہوں پر اسے تنقید کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہ وحی کو عقلی فریم ورک میں ڈھالنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس روایت نے اسلامی فلسفہ کو وسعت دی اور یونانی فکر کو اسلامی تناظر میں ڈھالا۔ جدید دور میں یہ روایت عقل اور وحی کے ہم آہنگی کے لیے اہم ہے[27]۔ مزید یہ کہ یہ روایت عقل کو وحی کی خدمت میں استعمال کرنے کا ایک عقلی نمونہ پیش کرتی ہے[28]۔

جدید فکری چیلنجز اور عقل کا مسئلہ

ڈیکارٹ کہتے ہیں کہ مغربی عقل پرستی (Rationalism) نے جدید دور میں عقل کو وحی اور مذہبی ہدایت سے آزاد اور مطلق قرار دے کر ایک بڑا فکری چیلنج پیدا کیا ہے۔ ڈیکارٹ سے شروع ہو کر لیب نٹز تک، عقل پرستوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ حقیقی علم کی بنیاد صرف عقل ہے اور حواس یا تجربہ اس کی تکمیل کر سکتے ہیں مگر اصل یقین عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ فکر نے وحی کو غیر ضروری یا ثانوی بنا دیا اور انسان کو اپنے اندرونی استدلال پر انحصار کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے نتیجے میں مذہبی عقائد کو عقلی تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور جو چیز عقل سے ثابت نہ ہوتی وہ مسترد کر دی جاتی تھی۔ قرآن کی روشنی میں یہ چیلنج اس لیے اہم ہے کہ قرآن عقل کو دعوت دیتا ہے مگر اسے وحی کی حاکمیت میں رکھتا ہے۔ مغربی عقل پرستی نے عقل کو وحی سے الگ کر کے اسے ایک خود مختار اتھارٹی بنا دیا جس سے الحاد اور سیکولرزم کو تقویت ملی۔ یہ فکر نے انسانی آزادی اور خود مختاری کے نام پر وحی کی ضرورت کو کمزور کیا اور اخلاقی اقدار کو محض عقلی اصولوں پر مبنی قرار دیا۔ تاہم یہ نقطہ نظر اپنی حدود میں مبتلا ہے کیونکہ عقل غیب، اخلاقی مطلقیت اور آخرت جیسے امور میں خاموش رہ جاتی ہے۔ قرآن کا جواب یہ ہے کہ عقل کو وحی کی روشنی میں استعمال کیا جائے تو یہ انسان کو مکمل ہدایت دے سکتی ہے۔ جدید مسلمان مفکرین اس چیلنج کا سامنا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عقل پرستی کی آزادی دراصل ایک نئی غلامی ہے جو انسان کو اللہ کی بندگی سے دور کرتی ہے۔ اس طرح یہ چیلنج اسلامی فکر کو نئی جہت دیتا ہے کہ عقل اور وحی کا توازن برقرار رکھا جائے[29]۔ مزید یہ کہ یہ فکر نے مغربی تہذیب کو عقلی بنیادوں پر استوار کیا مگر روحانی خلا پیدا کیا[30]۔

جان لاک کہتے ہیں کہ سائنسی فکر اور تجربیت (Empiricism) نے عقل کے مسئلے کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے کیونکہ اس نے علم کی بنیاد صرف حواس اور تجربے کو قرار دیا۔ لاک، ہوم اور برکلی جیسے مفکرین نے کہا کہ عقل خالی تختی ہے اور تمام علم تجربے سے آتا ہے۔ یہ نقطہ نظر نے وحی کو غیر سائنسی اور غیر تجرباتی قرار دے کر اس کی صداقت پر سوال اٹھایا۔ قرآن میں نشانیوں پر غور کی دعوت تجربیت سے ملتی جلتی ہے مگر قرآن اسے اللہ کی نشانیوں تک محدود رکھتا ہے جبکہ تجربیت نے اسے مادیت تک محدود کر دیا۔ اس فکر نے سائنس کو مذہب کا متبادل بنا دیا اور غیب کی باتوں کو مسترد کر دیا۔ نتیجتاً جدید دور میں سائنس اور مذہب کے درمیان تنازع پیدا ہوا جہاں وحی کو

---

[25] ابن حزم، علي بن أحمد. الإحكام في أصول الأحكام. جلد 1، صفحہ 89. دار الكتب العلمية، بيروت، 2000

[26] الشاطبي، إبراهيم بن موسى. الموافقات في أصول الشريعة. جلد 2، صفحہ 210. دار ابن عفان، الخبر، 1997

[27] الفارابي، أبو نصر محمد بن محمد. آراء أهل المدينة الفاضلة. صفحہ 165. دار المشرق، بيروت، 1985

[28] ابن رشد، محمد بن أحمد. فصل المقال فيما بين الحكمة والشريعة من الاتصال. صفحہ 78. دار الكتب العلمية، بيروت، 1998

[29] Descartes, René. Meditations on First Philosophy. Translated by John Cottingham, page 24. Cambridge University Press, Cambridge, 1996

[30] Leibniz, Gottfried Wilhelm. New Essays on Human Understanding. Translated by Peter Remnant and Jonathan Bennett, page 81. Cambridge University Press, Cambridge, 1996

غیر قابل تصدیق سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کا جواب یہ ہے کہ سائنسی تجربہ اللہ کی نشانیوں کی تصدیق کر سکتا ہے مگر وحی اسے مکمل کرتی ہے۔ تجربیت نے عقل کو حواس کا غلام بنا دیا اور اسے ماورائی امور سے محروم کر دیا۔ یہ چیلنج مسلمانوں کے لیے یہ سبق دیتا ہے کہ سائنسی ترقی کو اللہ کی نشانیوں کے طور پر دیکھیں اور وحی کی روشنی میں اس کی تفسیر کریں۔ اس طرح تجربیت کی حدود کو تسلیم کر کے عقل کو وحی کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ جدید سائنس نے بہت سے معجزات کی تصدیق کی ہے جو قرآن میں بیان ہیں، جو یہ بتاتا ہے کہ دونوں میں تعارض نہیں بلکہ تکمیل ہے۔ یہ فکر نے مغربی معاشرے کو مادیت پسندی کی طرف لے گیا مگر روحانی بحران بھی پیدا کیا[31]۔ اس طرح تجربیت نے عقل کو محدود کر کے وحی کی ضرورت کو مزید واضح کیا[32]۔

ایمانویل کانٹ کہتے ہیں کہ مابعد الطبیعیات سے انکار کے اثرات نے عقل کے مسئلے کو سب سے زیادہ شدید چیلنج دیا ہے۔ کانٹ نے مابعد الطبیعیات کو ناممکن قرار دے کر کہا کہ عقل صرف ظاہری دنیا تک محدود ہے اور اللہ، روح اور آخرت جیسے امور اس کی پہنچ سے باہر ہیں۔ بعد میں نیٹشے، سارتر اور پوسٹ ماڈرن مفکرین نے اس انکار کو مزید گہرا کیا اور کہا کہ کوئی مطلق حقیقت نہیں اور سب کچھ انسانی تعمیر ہے۔ اس انکار نے وحی کی صداقت کو مسترد کر دیا اور عقل کو صرف دنیاوی امور تک محدود کر دیا۔ قرآن میں مابعد الطبیعیات کی حقیقت کو وحی سے بیان کیا گیا ہے اور عقل کو اس کی طرف اشارہ کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔ یہ انکار نے اخلاقی اقدار کو نسبی بنا دیا اور انسانی زندگی کو بے معنی کر دیا۔ اثرات میں الحاد، نیہلزم اور اخلاقی بحران شامل ہیں۔ قرآن کا جواب یہ ہے کہ عقل مابعد الطبیعیات کو مکمل طور پر نہ سمجھ سکے تو اسے وحی پر انحصار کرنا چاہیے۔ یہ انکار نے سائنس کو مذہب کا متبادل بنا دیا مگر سائنس خود مابعد الطبیعیات کے سوالات کا جواب نہیں دے سکتی۔ مسلمان مفکرین اس چیلنج کا سامنا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مابعد الطبیعیات سے انکار دراصل عقل کی اپنی حدود کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ قرآن عقل کو نشانیوں تک لے جاتا ہے اور پھر وحی سے مکمل کرتا ہے۔ یہ انکار نے مغربی تہذیب کو بحران میں ڈال دیا جہاں انسان بے مقصد اور تنہا محسوس کرتا ہے۔ اسلامی فکر کا جواب یہ ہے کہ عقل اور وحی کا توازن ہی انسان کو مکمل سکون دے سکتا ہے[33]۔ اس طرح یہ انکار وحی کی ضرورت کو مزید واضح کرتا ہے[34]۔

جدید فکری چیلنجز اور وحی پر اعتراضات

ڈیکارٹ کہتے ہیں کہ جدید دور میں وحی کی حجیت پر سب سے بڑے شبہات اس کی تاریخی اور انسانی اصل پر اٹھائے جاتے ہیں۔ مغربی فکر نے، خاص طور پر تاریخی تنقید (Higher Criticism) کے ذریعے، یہ دعویٰ کیا کہ قرآن یا دیگر آسمانی کتابیں انسانی ہاتھوں سے مرتب ہوئی ہیں اور ان میں تاریخی غلطیاں، تضادات اور ثقافتی اثرات موجود ہیں۔ اس کے نتیجے میں وحی کو الہی نہیں بلکہ انسانی تخلیق قرار دیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ جدید نفسیات اور سوشیالوجی نے وحی کو ذہنی تجربات یا سماجی ضروریات کا نتیجہ قرار دیا، جیسے فرائیڈ نے مذہب کو نفسیاتی توہم اور مارکس نے اسے طبقاتی استحصال کا آلہ کہا۔ یہ شبہات وحی کی حجیت کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے جسے تنقیدی مطالعہ سے چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کی روشنی میں یہ اعتراضات اس لیے اہم ہیں کہ قرآن خود اپنی حفاظت اور صداقت کا اعلان کرتا ہے اور انسانی تاریخ میں اس کی تبدیلی ناممکن قرار دیتا ہے۔ یہ شبہات مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ وحی کی حجیت کو عقلی اور تاریخی دلائل سے ثابت کریں۔ جدید مسلمان مفکرین ان شبہات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تاریخی تنقید کی بنیاد مغربی کتابوں پر ہے جبکہ قرآن کی حفاظت کا نظام منفرد ہے۔ یہ اعتراضات وحی کو محض ایک انسانی متن بنا کر اس کی الہی حیثیت کو مسترد کرتے ہیں مگر قرآن کی آیات اپنی معجزانہ زبان، پیش گوئیوں اور سائنسی اشارات سے ان کا جواب دیتی ہیں۔ اس طرح یہ چیلنج اسلامی فکر کو نئی عقلی بنیادوں پر مضبوط کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے[35]۔ مزید یہ کہ یہ شبہات جدید سیکولرزم کی بنیاد ہیں جو وحی کو انسانی تاریخ کا حصہ بنا دیتے ہیں[36]۔

---

[31] Locke, John. An Essay Concerning Human Understanding. Edited by Peter H. Nidditch, page 104. Oxford University Press, Oxford, 1975

[32] Hume, David. An Enquiry Concerning Human Understanding. Edited by Tom L. Beauchamp, page 152. Oxford University Press, Oxford, 1999

[33] Kant, Immanuel. Critique of Pure Reason. Translated by Paul Guyer and Allen W. Wood, page 115. Cambridge University Press, Cambridge, 1998

[34] Nietzsche, Friedrich. Thus Spoke Zarathustra. Translated by Walter Kaufmann, page 189. Penguin Books, New York, 1978

[35] Kant, Immanuel. Religion within the Boundaries of Mere Reason. Translated by Allen W. Wood and George di Giovanni, page 142. Cambridge University Press, Cambridge, 1998

[36] Freud, Sigmund. The Future of an Illusion. Translated by James Strachey, page 68. W. W. Norton & Company, New York, 1989

رچرڈ ڈاکنز کہتے ہیں کہ وحی اور جدید علم کا مبینہ تعارض جدید سائنس اور فلسفہ نے یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ وحی اور سائنسی علم میں بنیادی تضاد ہے۔ ڈارون کی ارتقائی تھیوری، بگ بینگ ماڈل اور کوانٹم فزکس جیسی دریافتوں کو بعض لوگوں نے وحی کے بیانات سے متصادم قرار دیا۔ مثال کے طور پر تخلیق کی کہانی کو ارتقا سے متضاد سمجھا جاتا ہے یا معجزات کو فطری قوانین کی خلاف ورزی کہا جاتا ہے۔ یہ تعارض اس بنیاد پر اٹھایا جاتا ہے کہ سائنس تجرباتی اور قابل تصدیق ہے جبکہ وحی غیر تجرباتی اور ایمانی ہے۔ تاہم قرآن کی روشنی میں یہ تعارض مبینہ (ظاہری) ہے نہ کہ حقیقی۔ قرآن کائنات کی نشانیوں پر غور کی دعوت دیتا ہے اور سائنسی دریافتوں کو اللہ کی قدرت کی نشانی قرار دیتا ہے۔ جدید مسلمان سائنسدان اور مفکرین کہتے ہیں کہ سائنس "کیسے" کا جواب دیتی ہے جبکہ وحی "کیوں" اور "کس مقصد سے" کا۔ اس لیے دونوں میں تکمیل ہے نہ کہ تضاد۔ یہ مبینہ تعارض اکثر غلط تفہیم یا نصوص کی سطحی تشریح کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن میں کائنات کی تخلیق اور ارتقائی مراحل کا بیان سائنسی ماڈلز سے ہم آہنگ ہے جب اسے درست سیاق میں دیکھا جائے۔ یہ چیلنج مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ سائنس کو وحی کی روشنی میں دیکھیں اور اسے اللہ کی نشانیوں کی تصدیق سمجھیں۔ جدید دور میں یہ تعارض سیکولرزم کی طرف لے جاتا ہے مگر اسلامی فکر اسے موقع بنا کر وحی کی جامعیت کو ثابت کرتی ہے[37]۔ اس طرح یہ مبینہ تعارض دراصل وحی اور سائنس کے باہمی تعاون کو واضح کرتا ہے[38]۔

جان راولز کہتے ہیں کہ سیکولر اور لبرل تعبیرات نے وحی کو ایک ذاتی یا ثقافتی معاملہ بنا کر اس کی حاکمیت کو چیلنج کیا ہے۔ سیکولرزم نے مذہب کو نجی شعبہ قرار دے کر عوامی زندگی، قانون اور سیاست سے الگ کر دیا۔ لبرل فکر نے وحی کی تعبیر کو ذاتی اور نسبی بنا دیا، یعنی ہر شخص اپنی مرضی سے اس کی تفسیر کر سکتا ہے اور کوئی مطلق حقیقت نہیں۔ یہ تعبیرات وحی کو ایک تاریخی یا اخلاقی رہنما بنا دیتی ہیں مگر اسے زندگی کے ہر شعبے پر حاکم نہیں مانتیں۔ جدید لبرلزم نے انسانی حقوق، جنس، خاندان اور آزادی کے تصورات کو وحی سے الگ کر کے انسانی عقل اور سماجی اتفاق پر مبنی قرار دیا۔ یہ چیلنج اسلامی فکر کے لیے سنگین ہے کیونکہ قرآن وحی کو زندگی کے تمام شعبوں پر حاکم قرار دیتا ہے۔ سیکولر اور لبرل تعبیرات نے وحی کو ایک اختیاری رائے بنا دیا ہے جبکہ اسلام میں یہ الزامی ہے۔ یہ فکر نے مغربی معاشرے میں اخلاقی نسبیت اور فرد پرستی کو فروغ دیا مگر روحانی اور اجتماعی بحران بھی پیدا کیا۔ مسلمان مفکرین اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیکولرزم کی آزادی دراصل اللہ کی حاکمیت سے آزادی ہے جو انسان کو حقیقی آزادی نہیں دیتی۔ لبرل تعبیرات کی نسبیت وحی کی جامعیت کو کمزور کرتی ہے مگر قرآن کی آیات ہر دور میں ایک ہی حقیقت بیان کرتی ہیں۔ یہ چیلنج اسلامی فکر کو نئی لچک اور عقلی دفاع کی ضرورت پیدا کرتا ہے[39]۔ مزید یہ کہ یہ تعبیرات وحی کو ایک ثقافتی ورثہ بنا دیتی ہیں[40]۔

قرآن کی روشنی میں جدید فکری چیلنجز کا جواب

الرازی کہتے ہیں کہ قرآن مجید جدید فکری چیلنجز کا جواب دینے کے لیے ایک منفرد اور جامع استدلال پیش کرتا ہے جو عقلی مخاطبت پر مبنی ہے۔ قرآن ہر جگہ انسان کو مخاطب کرتے ہوئے "أفلا تعقلون"، "أفلا تتفکرون" اور "أفلا یتدبرون" جیسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو یہ بتاتے ہیں کہ اللہ انسان کی عقل کو مخاطب کر کے اس سے جواب طلب کرتا ہے۔ یہ مخاطبت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ قرآن محض ایمانی دعوت نہیں دیتا بلکہ عقلی دلائل بھی پیش کرتا ہے جو انسان کی فطری صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہیں۔ جدید دور میں جب عقل پرستی، تجربیت اور مابعد الطبیعیات سے انکار جیسے چیلنجز سامنے آئے تو قرآن کا استدلال ان کا جواب دیتا ہے کہ عقل کو اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت دی جاتی ہے جو کائنات کی ساخت، انسانی تخلیق اور اخلاقی اصولوں میں واضح ہیں۔ قرآن کا یہ منہج عقلی استدلال کو وحی کی خدمت میں لاتا ہے نہ کہ اسے اس کا مخالف بناتا ہے۔ یہ استدلال جدید سیکولرزم اور الحاد کے سامنے یہ کہتا ہے کہ عقل اگر صحیح طریقے سے استعمال ہو تو اللہ کی وحدانیت اور آخرت کی حقیقت تک پہنچ سکتی ہے۔ قرآن کی آیات میں کائنات کی نشانیوں کا ذکر اس لیے ہے کہ انسان اپنی عقل سے ان کو دیکھے اور نتیجہ اخذ کرے۔ یہ مخاطبت انسان کو آزاد ارادے کی ذمہ داری بھی سکھاتی ہے کہ وہ اپنی عقل سے فیصلہ کرے مگر اللہ کی نشانیوں کو نظر انداز نہ کرے۔ جدید فکری چیلنجز جیسے کہ سائنسی مادیت پسندی کا جواب قرآن اس طرح دیتا ہے کہ سائنس نشانیوں کی تحقیق ہے مگر مقصد اور معنی وحی سے ملتے ہیں۔ یہ عقلی مخاطبت انسان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ وحی کو عقل کی روشنی میں سمجھے اور عقل کو وحی کی حاکمیت میں رکھے۔ اس طرح قرآن کا استدلال جدید دور کے شکوک کو دور کرنے میں انتہائی موثر ہے کیونکہ یہ نہ تو عقل کو رد کرتا ہے اور نہ ہی وحی

---

[37] Dawkins, Richard. The God Delusion. page 187. Houghton Mifflin Harcourt, Boston, 2006

[38] Gould, Stephen Jay. Rocks of Ages: Science and Religion in the Fullness of Life. page 65. Ballantine Books, New York, 1999

[39] Rawls, John. Political Liberalism. page 134. Columbia University Press, New York, 1993

[40] Taylor, Charles. A Secular Age. page 543. Harvard University Press, Cambridge, MA, 2007

کو عقلی تنقید سے الگ رکھتا ہے۔ یہ منہج اسلامی فکر کی جامعیت کو ظاہر کرتا ہے جو ہر دور میں چیلنجز کا جواب دے سکتا ہے[41]۔ مزید یہ کہ یہ مخاطبت انسانی فطرت کی گہرائی کو چھوتی ہے جو ہمیشہ حقیقت کی تلاش میں رہتی ہے[42]۔

الغزالی کہتے ہیں کہ قرآن میں علم، یقین اور ایمان کا ربط ایک مربوط اور متوازن نظام کی شکل میں بیان کیا گیا ہے جو جدید فکری چیلنجز کا بہترین جواب ہے۔ قرآن علم کو عقل اور حواس سے حاصل ہونے والا ابتدائی مرحلہ قرار دیتا ہے، یقین کو وہ مرحلہ جہاں شک باقی نہیں رہتا اور ایمان کو دل کی تسلیم اور عمل کی شکل۔ یہ ربط اس بات کو واضح کرتا ہے کہ علم وحی کی روشنی میں یقین کی طرف جاتا ہے اور یقین ایمان کی بنیاد بنتا ہے۔ جدید دور میں جب سائنسی علم کو مطلق قرار دیا جاتا ہے تو قرآن کا یہ نظام بتاتا ہے کہ علم محدود ہے اور اس کی یقینیت عارضی ہو سکتی ہے مگر وحی سے حاصل ہونے والا یقین ابدی ہے۔ قرآن میں "علم الیقین"، "عین الیقین" اور "حق الیقین" کے مراحل بیان کیے گئے ہیں جو علم کی ترقی کو دکھاتے ہیں کہ یہ حواس سے شروع ہو کر دل کی گہرائی تک پہنچتا ہے۔ یہ ربط جدید تجربیت اور عقل پرستی کے سامنے یہ جواب دیتا ہے کہ سائنسی علم نشانیوں کی تحقیق ہے مگر یقین اور ایمان وحی سے ملتے ہیں۔ قرآن کا یہ نظام انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ علم کو وحی کی خدمت میں لائے تاکہ وہ یقین تک پہنچے اور ایمان سے عمل کرے۔ جدید فکری بحران جیسے شکوک اور نسبیت کا جواب یہ ہے کہ حقیقی یقین صرف وحی سے ملتا ہے جو عقل کو مکمل کرتا ہے۔ یہ ربط انسانی فکر کو سکون دیتا ہے کیونکہ یہ علم کی حدود کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اعلیٰ مقصد سے جوڑتا ہے۔ قرآن میں ایمان کو علم اور یقین کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے جو انسان کو باطل سے بچاتا ہے اور حق کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ نظام جدید دور کے بحران کو حل کرتا ہے جہاں لوگ علم کی فراوانی میں بھی بے یقینی کا شکار ہیں[43]۔ اس طرح یہ ربط عقل، دل اور عمل کو ایک مربوط زنجیر میں جوڑتا ہے[44]۔

الشاطبی کہتے ہیں کہ قرآن میں عقلِ سلیم اور وحیِ الٰہی کی ہم آہنگی کو ایک بنیادی اصول قرار دیا گیا ہے جو جدید فکری چیلنجز کا سب سے مضبوط جواب ہے۔ عقلِ سلیم وہ ہے جو فطری طور پر حق کی طرف مائل ہوتی ہے اور غلطیوں سے پاک ہو کر کام کرتی ہے۔ قرآن اسے "فطرة الله التي فطر الناس عليها" سے جوڑتا ہے جو انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ وحی اس فطرت کی حفاظت اور تکمیل کرتی ہے۔ یہ ہم آہنگی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حقیقی عقل وحی کی مخالفت نہیں کر سکتی بلکہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ جدید دور میں جب عقل کو وحی سے الگ کر کے اسے مطلق قرار دیا جاتا ہے تو قرآن کا یہ اصول واضح کرتا ہے کہ عقلِ سلیم وحی کی روشنی میں ہی مکمل ہوتی ہے۔ یہ ہم آہنگی جدید سیکولرزم، الحاد اور نسبیت پسندی کا جواب ہے کیونکہ یہ بتاتی ہے کہ وحی عقل کی حدود کو نہیں مٹاتی بلکہ انہیں وسعت دیتی ہے۔ قرآن میں کائنات کی نشانیوں پر غور کی دعوت اس ہم آہنگی کی مثال ہے کہ عقل دیکھتی ہے اور وحی معنی بتاتی ہے۔ یہ اصول جدید سائنسی دریافتوں کو بھی اللہ کی نشانیوں کے طور پر دیکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ عقلِ سلیم اور وحی کی یہ ہم آہنگی انسان کو توازن بخشتی ہے جہاں وہ نہ تو عقل کو رد کرتا ہے اور نہ ہی وحی کو نظر انداز کرتا ہے۔ جدید فکری بحران جیسے اخلاقی نسبیت اور بے مقصدگی کا جواب یہ ہے کہ عقلِ سلیم وحی کی طرف لوٹتی ہے اور اس سے مکمل سکون پاتی ہے۔ یہ ہم آہنگی اسلامی فکر کی طاقت ہے جو ہر دور کے چیلنجز کا سامنا کر سکتی ہے۔ قرآن کا یہ اصول انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کی آواز سنیں اور وحی کی روشنی میں چلیں[45]۔ اس طرح یہ ہم آہنگی انسانی فکر کو مکمل اور متوازن بناتی ہے[46]۔

عصرِ حاضر میں عقل و وحی کا تطبیقی کردار

الشاطبی کہتے ہیں کہ جدید سماجی و فکری مسائل میں رہنمائی قرآن مجید اور سنت نبوی میں عقل اور وحی کا تطبیقی کردار آج کے دور کے سماجی اور فکری مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک جامع اور عملی رہنما اصول فراہم کرتا ہے۔ آج کا دور اخلاقی بحران، خاندانی نظام کی کمزوری، معاشی عدم مساوات، جنسی آزادی کے نام پر بے راہ روی، اور سماجی انصاف کے فقدان جیسے مسائل سے دوچار ہے۔ ان مسائل میں عقلِ سلیم انسانی تجربات اور سائنسی تحقیق سے حل تلاش کرتی ہے مگر وہ اکثر نسبی اور عارضی حل پیش کرتی ہے۔ وحی انہیں ایک ابدی اور مطلق اخلاقی فریم ورک دیتی ہے جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ مثال کے طور پر خاندانی نظام کے بحران میں قرآن عورت

---

[41] الرازي، فخر الدين محمد بن عمر. مفاتيح الغيب. جلد7، صفحہ 210. دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1999

[42] ابن عاشور، محمد الطاهر. التحرير والتنوير. جلد2، صفحہ 340. الدار التونسية للنشر، تونس، 1984

[43] الغزالي، أبو حامد محمد. إحياء علوم الدين. جلد4، صفحہ 150. دار الشروق، قاهرة، 1980

[44] ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم. درء تعارض العقل والنقل. جلد4، صفحہ 280. دار الكتب العلمية، بيروت، 1993

[45] الشاطبي، إبراهيم بن موسى. الموافقات في أصول الشريعة. جلد1، صفحہ 320. دار ابن عفان، الخبر، 1997

[46] ابن القيم، محمد بن أبي بكر. إعلام الموقعين عن رب العالمين. جلد3، صفحہ 180. دار الكتب العلمية، بيروت، 1991

اور مرد کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کو واضح کرتا ہے جو نہ صرف نفسیاتی بلکہ سماجی استحکام کی ضمانت ہے۔ معاشی عدم مساوات کے مسئلے میں زکوۃ، سود کی ممانعت اور وراثت کے اصول عقل سے مطابقت رکھتے ہیں اور سماجی توازن قائم کرتے ہیں۔ عقل ان مسائل کو تجزیہ کرتی ہے مگر وحی انہیں ایک الٰہی مقصد سے جوڑتی ہے جو انسان کو خود غرضی سے نکال کر اجتماعی بھلائی کی طرف لے جاتی ہے۔ آج کے سیکولر اور لبرل معاشرے میں جہاں اخلاقی اقدار نسبی ہو گئی ہیں، وحی ایک مستحکم اخلاقی مرکز فراہم کرتی ہے۔ عقل اس مرکز کی روشنی میں عملی حل تلاش کرتی ہے جیسے کہ جدید معاشی ماڈلز میں اسلامی بینکاری اور سماجی بہبود کے نظام۔ یہ تطبیقی کردار مسلمانوں کو جدید مسائل میں نہ تو روایتی تنگی کا شکار ہونے دیتا ہے اور نہ ہی مغربی نمونوں کی اندھی تقلید کی طرف لے جاتا ہے۔ اس طرح عقل اور وحی کا یہ تعلق آج کے سماجی مسائل کو حل کرنے میں ایک متوازن اور جامع رہنمائی پیش کرتا ہے جو انسان کی فلاح اور معاشرتی انصاف کو یقینی بناتا ہے[47]۔ مزید یہ کہ یہ رہنمائی انسان کو سماجی بحران سے نکال کر ایک متوازن زندگی کی طرف لے جاتی ہے[48]۔

ابن رشد کہتے ہیں کہ عصرِ حاضر میں عقل اور وحی کا تطبیقی کردار علمی تحقیق اور دینی فکر کی تشکیل میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید علمی تحقیق سائنسی طریقہ کار، تجربات اور عقلی استدلال پر مبنی ہے جو نئی دریافتوں اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا باعث بنتی ہے۔ دینی فکر وحی کی روشنی میں عقائد، اخلاقیات اور شریعت کی تشریح کرتی ہے۔ دونوں کے درمیان تطبیقی کردار یہ ہے کہ عقل علمی تحقیق کو وحی کے مقاصد سے ہم آہنگ کرتی ہے اور وحی عقل کو ایک اعلیٰ مقصد اور اخلاقی حدود فراہم کرتی ہے۔ مثال کے طور پر جدید طبی تحقیق میں جینیاتی تبدیلیاں اور مصنوعی ذہانت کے استعمال میں وحی اخلاقی حدود مقرر کرتی ہے جیسے انسانی زندگی کی حرمت اور فطرت میں مداخلت کی ممانعت۔ عقل ان حدود میں رہ کر تحقیق کو آگے بڑھاتی ہے۔ اسلامی یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں میں یہ تطبیق دیکھی جا سکتی ہے جہاں سائنسی علوم کو وحی کی روشنی میں پڑھایا جاتا ہے۔ یہ کردار دینی فکر کو جامد ہونے سے بچاتا ہے اور اسے جدید مسائل کا جواب دینے کے قابل بناتا ہے۔ آج کے دور میں جب سائنس کو مذہب کا متبادل سمجھا جاتا ہے تو یہ تطبیق بتاتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ عقل نئی دریافتوں کو اللہ کی نشانیوں کی توسیع سمجھتی ہے اور وحی انہیں صحیح سمت دیتی ہے۔ یہ تشکیل دینی فکر کو متحرک اور علمی تحقیق کو اخلاقی بناتی ہے۔ اس طرح مسلمان سائنسدان اور مفکرین ایک ایسی فکر تشکیل دے سکتے ہیں جو نہ صرف جدید چیلنجز کا سامنا کرے بلکہ عالمی سطح پر رہنمائی بھی کرے۔ یہ تطبیقی کردار اسلامی تہذیب کی بحالی کا بنیادی ذریعہ ہے[49]۔ مزید یہ کہ یہ کردار علمی ترقی کو دینی اقدار سے ہم آہنگ رکھتا ہے[50]۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ عصرِ حاضر میں عقل اور وحی کا تطبیقی کردار مسلم ذہن کی فکری تربیت کے لیے انتہائی اہم ہے۔ آج مسلم نوجوان مغربی میڈیا، سوشل نیٹ ورکس اور سیکولر تعلیم کے زیرِ اثر آ کر وحی سے دوری اور عقل کی آزادی کے نام پر گمراہی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس تربیت میں عقل کو وحی کی روشنی میں پالش کیا جاتا ہے تاکہ وہ شکوک کا شکار نہ ہو۔ قرآن اور سنت کی تعلیمات کو عقلی دلائل کے ساتھ پیش کیا جائے تو ذہن میں یقین مضبوط ہوتا ہے۔ جدید تعلیمی نصاب میں سائنس، فلسفہ اور سماجی علوم کو وحی کے مقاصد سے جوڑ کر پڑھایا جائے تو طلبہ ایک متوازن ذہن رکھتے ہیں۔ یہ تربیت انہیں جدید چیلنجز جیسے الحاد، نسبیت پسندی اور مادیت پسندی کا عقلی جواب دینے کے قابل بناتی ہے۔ عقلِ سلیم کو نشانیوں پر غور کرنے کی تربیت دی جائے اور وحی کو اس کا رہنما بنایا جائے تو مسلم ذہن ایک ایسی فکری قوت بن جاتا ہے جو نہ صرف دفاع کرتی ہے بلکہ تخلیقی حل پیش کرتی ہے۔ آج کے دور میں جہاں معلومات کی بھرمار ہے، یہ تربیت ذہن کو تنقیدی سوچ اور ایمانی یقین کا توازن سکھاتی ہے۔ یہ کردار مسلم نوجوان کو ایک ایسی شخصیت دیتا ہے جو جدید دنیا میں اپنی شناخت برقرار رکھتے ہوئے عالمی سطح پر حصہ ڈال سکتی ہے۔ اس تربیت سے مسلم ذہن نہ تو روایتی تنگی کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی مغربی تقلید میں گم ہوتا ہے۔ یہ تطبیقی کردار اسلامی تہذیب کی بحالی اور مستقبل کی تعمیر کے لیے بنیادی ہے[51]۔ اس طرح یہ تربیت مسلم ذہن کو ایک ایسی فکری قوت بناتی ہے جو ہر دور میں زندہ رہ سکتی ہے[52]۔

نتائج وسفارشات (Conclusion & Recommendations)

---

[47] الشاطبي، إبراهيم بن موسى. الموافقات في أصول الشريعة. جلد 3، صفحہ 245. دار ابن عفان، الخبر، 1997

[48] ابن القيم، محمد بن أبي بكر. إعلام الموقعين عن رب العالمين. جلد 4، صفحہ 310. دار الكتب العلمية، بيروت، 1991

[49] ابن رشد، محمد بن أحمد. فصل المقال فيما بين الحكمة والشريعة من الاتصال. صفحہ 95. دار الكتب العلمية، بيروت، 1998

[50] الفارابي، أبو نصر محمد بن محمد. إحصاء العلوم. صفحہ 130. دار المشرق، بيروت، 1996

[51] ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم. درء تعارض العقل والنقل. جلد 5، صفحہ 420. دار الكتب العلمية، بيروت، 1993

[52] الغزالي، أبو حامد محمد. إحياء علوم الدين. جلد 1، صفحہ 450. دار الشروق، قاهرة، 1980

تحقیق کے اہم نتائج سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں عقل اور وحی کا باہمی تعلق ایک متوازن، ہم آہنگ اور تکمیلی رشتہ ہے جو انسانی فکر کی مکملیت کی ضمانت دیتا ہے۔ قرآن عقل کو اللہ کی عظیم نعمت قرار دیتا ہے اور اسے نشانیوں پر غور کرنے، تدبر کرنے اور تفکر کی دعوت دیتا ہے، مگر اسے وحی کی حاکمیت میں رکھتا ہے تاکہ وہ غیب کے امور میں گمراہ نہ ہو۔ وحی عقل کی راہنمائی کرتی ہے، اس کی حدود متعین کرتی ہے اور اسے اعلیٰ مقاصد کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ تعلق جدید فکری چیلنجز جیسے عقل پرستی، تجربیت، مابعد الطبیعیات سے انکار اور سیکولرزم کے سامنے بھی مضبوط اور قابل دفاع ثابت ہوتا ہے۔ تحقیق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عقل اور وحی میں کوئی حقیقی تعارض نہیں بلکہ ظاہری تعارض انسانی فہم کی کمزوری یا غلط تفہیم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کلاسیکی اسلامی فکر میں متکلمین، فقہاء، محدثین اور فلسفیانہ روایت نے اس تعلق کو مختلف زاویوں سے واضح کیا مگر سب کا اتفاق تھا کہ وحی حاکم ہے اور عقل اس کی خدمت میں ہے۔ یہ نتائج بتاتے ہیں کہ قرآن کا نقطہ نظر نہ صرف قدیم دور میں بلکہ عصرِ حاضر میں بھی انتہائی مربوط اور جامع ہے جو انسانی عقل کو نہ رد کرتا ہے اور نہ اسے مطلق بناتا ہے بلکہ اسے وحی کی روشنی میں مکمل کرتا ہے۔ اس طرح یہ تعلق اسلامی فکر کی بنیادی طاقت ہے جو ہر دور کے چیلنجز کا جواب دے سکتی ہے۔

عصرِ حاضر کے لیے عملی سفارشات یہ ہیں کہ مسلم معاشرہ اور تعلیمی اداروں میں عقل اور وحی کے اس متوازن تعلق کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ نوجوان نسل شکوک و شبہات سے محفوظ رہے۔ دینی مدارس اور جدید یونیورسٹیوں میں مشترکہ کورسز شروع کیے جائیں جہاں سائنسی علوم کو وحی کی روشنی میں پڑھایا جائے اور دینی علوم کو عقلی دلائل کے ساتھ پیش کیا جائے۔ میڈیا اور سوشل پلیٹ فارمز پر ایسی تحریریں اور ویڈیوز تیار کی جائیں جو جدید فکری چیلنجز کا قرآن کی روشنی میں جواب دیں اور عقلِ سلیم کو وحی کے ساتھ جوڑیں۔ مسلم دانشوروں اور سائنسدانوں کو باہمی تعاون بڑھانا چاہیے تاکہ سائنسی تحقیق کو اسلامی اخلاقیات اور مقاصد سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔ خاندانی اور سماجی سطح پر عقل اور وحی کی تعلیم کو عام کیا جائے تاکہ اخلاقی بحران اور نسبیت پسندی سے بچا جا سکے۔ یہ سفارشات عملی طور پر نافذ کرنے سے مسلم ذہن ایک متوازن، تنقیدی اور ایمانی سوچ کا حامل بن سکتا ہے جو جدید دنیا میں اپنا مقام قائم رکھ سکے۔ اس طرح یہ تعلق نہ صرف دفاع بلکہ تخلیقی اور پیش رفت کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔

مستقبل کی تحقیق کے امکانات بہت وسیع ہیں۔ عقل اور وحی کے تعلق کو عصری علوم جیسے مصنوعی ذہانت، نیوروسائنس، جینیٹکس اور خلائی تحقیق کے تناظر میں مزید گہرائی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ مطالعہ کیا جا سکتا ہے کہ جدید ٹیکنالوجیز انسانی فطرت اور وحی کے بیان کردہ اخلاقی اصولوں سے کس حد تک ہم آہنگ ہیں۔ بین الضابطہ تحقیق کے ذریعے سائنس، فلسفہ اور اسلامی فکر کو ملا کر نئے ماڈلز تیار کیے جا سکتے ہیں۔ مستقبل میں ڈیجیٹل دور کے چیلنجز جیسے ورچوئل رئیلٹی، ڈیٹا پرائیویسی اور اخلاقی ڈیجیٹلائزیشن پر قرآن کی روشنی میں تحقیق کی جا سکتی ہے۔ مسلم ممالک میں تحقیقی اداروں کو اس موضوع پر خصوصی پروجیکٹس دینے چاہئیں تاکہ عالمی سطح پر اسلامی فکر کی آواز مضبوط ہو۔ یہ امکانات نہ صرف علمی ترقی بلکہ مسلم امہ کی فکری بحالی اور عالمی رہنمائی کے لیے بھی اہم ہیں۔ اس طرح عقل اور وحی کا یہ تعلق مستقبل کی نسلوں کے لیے ایک روشن رہنما اصول ثابت ہو سکتا ہے جو ہر نئے چیلنج کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔